OPEN ACCESS
ABHATH
(Research Journal of Islamic Studies)
Published by: ***Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore.***

ISSN (Print) : 2519-7932
ISSN (Online) : 2521-067X
July-September-2024
Vol: 9, Issue: 35
Email:abhaath@lgu.edu.pk
OJS:https://ojs.lgu.edu.pk/index.php/abhath/index

اسلامی فکر اور مسلم تہذیب کی پیش کش میں سر سید کا نظریہ: تنقیدی جائزہ

Sir Sayed Ahmad Khan's Vision : A critical Examination of Islamic Thoughts and Muslim Civilization's Presentation

Samreen Akram
P.hd Scholar, GC University Faislabad:
samreenakram97@gmail.com
Humayn Abbas
Dean: Oriental Languages and Islamic Studies, GC University Faisalabad:
drhumayunabbas@gcuf.edu.pk

Abstract:

This article critically examines Sir Sayed Aḥamd Khān's perspectives on Islāmic thoughts and Muslim civilization's presentation, highlighting his efforts to perform and modernize Islāmic ideology. It analyses his writings, such as Tafsir-al-Qur'ān and khutbāte-e-Aḥmadiyah, to understand his approach to Islāmic thought and its representation. This article also explores his views on Muslim civilization's presentation, including his advocacy for education, science and interfaith understanding. By evaluating Sir Syed's vision, this article aims to understand his contributions to Islamic reform, modernization and the promotion of a progressive Muslim identity.

Keywords: Islāmic Thought, Muslim, Civilization, Presentation, Reform, Modernization, Education, Science, Interfaith, Understanding.

دین اسلام اور اس کے افکار و نظریات مسلم تہذیب کی اساس ہیں اور انہی کی بنیاد پر اسلامی تہذیب دیگر تہذیبوں سے ممتاز اور انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلامی افکار اور اہل اسلام کی یہ تہذیب انسانیت کی یوں رہنمائی کرتے ہیں کہ اسے خالقِ کائنات کے قریب کرتے ہوئے راہِ ہدایت اور منشاء ورضائے الٰہی کے حصول میں مددگار ہوتے

ہیں۔اس تناظر میں فکرِ اسلامی اور مسلم تہذیب ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دیتے ہیں جو متعدد خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ سر سید نے اسی اصلاحی معاشرے کو جلا دینے کے لیے کوششیں کیں ہیں تاہم بعض مقامات پر ان سے ایسے افکار کی انجام دہی سرزد ہوئی جس نے اسلامی فکر اور مسلم تہذیب کو ایک حد تک نقصان پہنچایا۔اس سے قبل کہ سر سید کے افکار اور اسلامی فکر و تہذیب کا جائزہ لیا جائے ضرورت اس امر کی ہے ہے کہ معاشرے کے مفہوم اور اسلامی معاشرے کے خدوخال کو واضح کیا جائے کیونکہ معاشرے کی ابتدا انسانیت کی ابتدا کے ساتھ مربوط ہے۔ پہلا انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ہی اس معاشرے کی تشکیل کا آغاز ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ساتھ معاشرہ اپنی تشکیل کے مراحل طے کرتا گیا، جس میں رہن سہن، بود و نمود، آپسی تعلقات، تہذیب و ثقافت اور اخلاقیات کی اعلیٰ اقدار وجود میں آتی گئیں تاکہ اس معاشرے میں نیکی کا عنصر پروان چڑھے اور برائی کا رجحان مغلوب و مفقود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے معاشرے میں انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرما کر طبعی اور فطری تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کا اسالیب فراہم کئے اور معاشرے میں اخلاقی اقدار کو ترویج دی تاکہ انسانیت کو درپیش مسائل کا ان کی روشنی میں حل نکالا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء میں آخر النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرما کر انبیاء سابقین کی جاری کردہ اصلاحات اور اقدار کو آپ ﷺ کے ذریعے مکمل فرمایا اور یہی نہیں بلکہ معاشرے کو اعلیٰ اقدار سے وابستہ کرنا آپ ﷺ کو فرضِ منصبی تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

> "كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ"[1]
>
> " جیسے کہ ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے ان منصبی فرائض کی تکمیل کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

---

[1] البقرۃ ۲: ۱۵۱

Al-Qur'ān,2:151

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ"[2]

" بے شک میں تو اعلیٰ اخلاقی اقدار کو ہی مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔"

چنانچہ آپ ﷺ کی پیش کردہ الہامی تعلیمات کا دقیق النظری سے مطالعہ کیا جائے تو اظہر من الشمس مشاہدہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرتی پہلوؤں اور ان کی اقدار کے تناظر میں اسلامی فکر اور مسلم تہذیب کا کس قدر خیال رکھا ہے۔

معاشرہ کا معنی و مفہوم

معاشرہ معاشرت کے لفظ کی ایک صورت ہے۔ معاشرہ اپنی اصل کے اعتبار سے عربی زبان کا لفظ ہے اور "مفاعلة" کے وزن پر ہے جس کا معنٰی باہمی میل جول اور مل جل کر زندگی بسر کرنا ہے۔ علم عمرانیات میں معاشرہ کی اصطلاح اپنے مخصوص معنٰی رکھتی ہے۔ اسے وسیع اور محدود دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ وسیع معنٰی میں تمام نسل انسانی کو معاشرہ یعنی سوسائٹی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محدود معنٰی میں اس سے مراد وہ گروہ لیا جاتا ہے جو کچھ لوگوں یا خاندانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لسان العرب میں علامہ منظور احمد افریقی لکھتے ہیں:

"العِشْرَةُ: الْمُخَالَطَةُ "[3] "عشرت سے مراد میل جول ہے۔"

اسی طرح کہا جاتا ہے: "عَشِيرَة الرَّجُلِ" اور یہ قریبی رشتہ دار کے لیے بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ"[4]

" اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ۔"

---

[2] شیبانی، احمد بن محمد بن حنبل، المسند، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند ابی ھریرۃ، (بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱ء)، ج۱۴، ص۵۱۳

Shaibānī, Aḥmad bin Ḥanbal,al Musnad, Musnad al Mukthrīn min al ṣaḥāba, Musnad abi Hurairata,(Beirūt,Lebanon:Muasisat al Risālat,2001),V:14,P:513

[3] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، (بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۴۱۴ھ)، ج۴، ص۵۷۴

Ibn e Manzor, Muḥammad bin Mukaram, Lisān al A'rab, (Beirūt, Lebanon:Dār ṣādir, 1414), V:4, P:574

[4] الشعراء ۲۶: ۲۱۴

Al-Qur'ān,37:214

اسی طرح لغت عرب میں "العَشِيرُ" بمعنٰی "الْقَرِيبُ وَالصَّدِيقُ" مستعمل ہے اس لیے اہل عرب خاوند کے لیے "عَشِيرُ المرأة" بھی استعمال کرتے ہیں کہ وہ زوجہ کا زیادہ قریبی ہوتا ہے۔[5] رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ: وَبِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ العَشِيرَ"[6]

"میں دیکھتا ہوں کہ جہنمیوں کی اکثریت عورتوں کی ہو گی، آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کیوں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس لیے کہ تم کثرت سے لعن طعن کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔"

اس روایت میں "العَشِير" کا لفظ "خاوند کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ اس طرح "عشر" سے ایک لفظ "معشر" بھی ماخوذ ہے جو "گروہ، جماعت" کے لیے بولا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:

"يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ"[7] "اے جن وانسان کے گروہ (جماعت)۔"

اسی طرح ایک روایت میں عورتوں کی جماعت سے خطاب میں اس لفظ کو اختیار کیا گیا ہے، روایت میں ہے:

"يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ"[8] "اے عورتوں کی جماعت (گروہ)۔"

مختصراً عشرت، معشر، معاشرۃ سب کا مادہ "عشر" ہے اور یہ باہمی میل جول اور اختلاط کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس تفصیل سے حاصل ہونے والی معلومات کی بنا پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ معاشرہ انسانوں کے اس مجموعہ کا نام

---

[5] ابن منظور، لسان العرب، ج۴، ص ۵۷۴

Ibn e Manzor, Lisān al A'rab, V:4, P:574

[6] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم، رقم الحدیث ۳۰۴

Bukhārī, Ṣaḥiḥ Bukhārī, Kitāb al Ḥaiz, bāb Tark al Ḥāiz al Ṣaum, Raqam al Ḥadith:304

[7] الرحمٰن ۵۵: ۳۳

Al-Qur'ān, 55:33

[8] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم، رقم الحدیث ۳۰۴

Bukhārī, Ṣaḥiḥ Bukhārī, Kitāb al Ḥaiz, bāb Tark al Ḥāiz al Ṣaum, Raqam al Ḥadith:304

ہے جو باہم مل جل کر ساتھ رہنا چاہتے ہیں، جو مختلف نظریاتی، تاریخی، تہذیبی تعلقات کی بدولت ایک دوسرے سے جڑے ہوں۔ اسی اعتبار سے علامہ ابن منظور افریقی معاشرے کا اصطلاحی معنیٰ لکھتے ہیں:

"المَعاشِرُ: جماعاتُ النَّاسِ. والمَعْشَرُ: الْجِنُّ والإِنس. وَفِي التَّنْزِيلِ: يا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ"[9]

"معاشرے کا معنیٰ لوگوں کی جماعت ہے اور یہ جن وانس دونوں کو شامل ہے قرآن کریم میں اس حوالے سے ہے: اے گروہِ جن و انس۔"

انگریزی میں معاشرے کے لیے "Society" کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا معنیٰ یوں بیان کیا گیا ہے:

"A large group of people who live together in an organized way, making decisions about how to do things and sharing that needs to be done all people in a country or in a several countries can be referred to as society."[10]

"ایسے لوگوں کا ایک بڑا گروہ جو منظم طریقے سے اکھٹے رہتے ہیں، یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ چیزوں کو کس طرح کیا جائے اور اس بارے میں آپسی مشاورت کرتے ہیں کہ ان کو کس طرح ہونا چاہیے۔ اس طرح کے تمام لوگ جو کسی ایک ملک میں ہوں یا کئی ممالک میں ہوں، سب کو معاشرہ کہا جائے گا۔"

مذکورہ بالا تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ دراصل ایسے افراد کا مجموعہ ہوتا ہے کہ جو کسی خاص فکر، سوچ اور تہذیب کو جنم دیتے ہیں اور اسی کے تحت ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

معاشرتی ماحول اور اسلامی فکر و تہذیب کا باہمی تعلق

معاشرتی ماحول انسان کو فکر و عمل کی دعوت دیتا ہے اور تہذیب و تمدن بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ انسان جس طرح کا ماحول میسر ہوتا ہے ویسا ہی اندازِ فکر اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ سید نا رسول اللہ ﷺ نے ایمانیات و عبادات

---

[9] ابن منظور، لسان العرب، ج۴، ص۵۷۴

Ibn e Manzor, Lisān al A'rab, V:4, P:574

[10] Cambridge International Dictionary of English, 1996, p137

اور اخلاقیات و معاملات پر معاشرے کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ نے افکار و اعمال و معاملات کی بنیاد پر جس معاشرے کی بنیاد رکھی اس کی اقدار معاصر سماجی ماہرین اور معاشرتی بہبود کے اداروں کے لیے سنگ میل ہیں۔ آپ ﷺ کی جدوجہد سے ایسا پاکیزہ اور منظم معاشرہ وجود میں آیا کہ کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تو اس نے خود آکر اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کیا یا بارگاہِ رسالت میں اپنا عذر پیش کر دیا اور یہی معاشرتی ماحول اسلامی فکر و تہذیب کی ترویج و ترقی کا باعث بنا۔

اسلامی فکر اور تہذیب کی اساس

اسلامی فکر ور تہذیب کی اساس قرآن کریم، احادیث طیبہ اور سیدنا رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ ہے جس کے تناظر میں مسلمان اپنے فکر و عمل کے ساتھ اپنی تہذیب و معاشرت کی اصلاح کرتے ہیں۔ سیدنا رسول کریم ﷺ کی جاری کردہ اصلاحات ہمارے پاس عصر حاضر میں دین اسلام کی صورت میں موجود ہیں جو ہر زمانہ میں پائیدار ہے۔ اسلام ایسا مضبوط اور پائیدار نظام رکھتا ہے جس کے اصول و ضوابط مستقل و مستحکم، اس کا پورا مزاج عدل و انصاف سے مرکب اور تمام اجزاء باہمی طور پر منظم، مربوط، منسلک اور ہم آہنگ ہیں۔ یہ نظام ایسا جامع و ہمہ گیر ہے کہ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں آجاتی ہیں۔ چنانچہ اس نظام کی اقدار اور خدوخال کا فکر و تہذیب کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو اس میں اسلامی افکار و نظریات اساسی حیثیت رکھتے ہیں اور انہی کے پیش نظر اسلام اپنے کامل عقائد اور مکمل نظریات پیش کرتا ہے جس میں درج ذیل بنیادی نظریات سامنے آتے ہیں:

1۔ ایمان باللہ　　2۔ ایمان بالرسالت　　3۔ ایمان بالملائکہ

4۔ ایمان بالکتب　　5۔ ایمان بالآخرۃ

قرآن کریم نے اسلامی فکر و تہذیب کی اساس یعنی مذکورہ بالا نظریات و افکار کو یوں اس طرح ذکر کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ"[11]

[11] البقرۃ ۲: ۱۷۷

Al-Qur'ān,2:177

"ہاں اصلی نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر۔"

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی افکار اور تہذیبِ اسلامی میں سب سے اوّلین مذکورہ بالا نظریات ہیں جن کے بغیر فکرِ اسلامی اور مسلم تہذیب کی تکمیل نہیں ہو سکتی اور اگر اس میں تنوع کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فکر اسلامی کی صورت میں حاصل ہونے والی تہذیب صرف انہی نظریات کو ماننے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم میں وسعت پائی جاتی ہے، جس میں دنیاوی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اصول واسالیب موجود ہیں اور اسلامی تہذیب کا مقصد ہی یہی ہے کہ انسانی زندگی کے میعار کو بلند کیا جائے تاکہ مسلم تہذیب اعلیٰ اقدار سے مزین ہو۔ امام ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"أَنَّ مَدَارَ أُمُورِ الدِّينِ عَلَى الِاعْتِقَادَاتِ وَالْآدَابِ وَالْعِبَادَاتِ وَالْمُعَامَلَاتِ وَالْعُقُوبَاتِ"[12]

"امور دینیہ کا دار و مدار اعتقادات، آداب، عبادات، معاملات اور عقوبات پر ہے۔"

امور دینیہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ عقائد سے متعلق گفتگو علم الکلام میں کی جاتی ہے جبکہ اخلاقیات کے متعلق گفتگو علم التصوف میں کی جاتی ہے۔ بقیہ تین عنوانات (۱) عبادات، (۲) معاملات، (۳) جنایات سے متعلق گفتگو علم الفقہ میں کی جاتی ہے اور یہ تمام مل کر اسلامی فکر اور مسلم تہذیب کی عکاسی کرتے ہیں۔

سرسید اور فکر و تہذیب اسلامی

سرسید احمد خان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات مکمل طور پر واضح ہے کہ آپ نے مسلمانوں کی فکر و تہذیب اور مسلم معاشرے کی تشکیل میں ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ آپ کے رسالہ "تہذیب الاخلاق" کا مقصد ہی مسلم معاشرے میں اخلاقی اقدار کو فروغ دینا رہا اور اسی کے پیش نظر ان کی نظر و فکر کی اصلاح کی بھی کوشش جاری ہے۔ "تہذیب الاخلاق" صرف "اخلاقیات" کا درس نہ تھا بلکہ اس میں "نظریات" اور "مسائل فقیہہ" پر بھی کلام کیا گیا جاتا تھا۔

---

[12] ابن عابدین شامی، محمد امین، رد المحتار علی الدر المختار، (بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۲ء)، ج۱، ص۷۹

Ibne A'bideen Shāmī, Muḥammad Ameen , Rad al Muḥtār A'la al Dur al Mukhtār,(Beirūt,Lebanon, Dār al Fikr 1992),V:1,P:79

دبستانِ سر سید کا مطالعہ اور آپ کے رفقاء کی کاوشیں اظہر من الشمس ہیں کہ کس طرح انہوں نے بر صغیر کے مسلمانوں میں کردار کی پختگی، ترقی کی راہوں پر گامزنی، جدید تعلیم سے آراستگی اور معاشرتی ترقی کی چوٹیوں کو سر کرنے میں سر توڑ کوششیں کیں۔ تاہم بعض ایسے مقامات بھی تھے جہاں پر سر سید سے اسلامی فکر اور مسلم تہذیبی کی سطحی پیش کش کا مظاہرہ ہوا اور انہوں نے وہ افکار جن کو اسلامی افکار سے تعلق نہ کہا اجتہاد، عقلیت، جدیدیت کی بنیاد پر اسلامی فکری میں داخل کر دیا۔ مسلم فکر کے تناظر میں سر سید کے انہی افکار کو جب دبستان سر سید میں اسلامی فکر و تہذیب کا حصہ مانا اور سمجھا جانے لگا تو کئی اہل علم حضرات نے سر سید کے متعلق فتاویٰ جاری کر دیئے۔ آپ کے انہی نظریات میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

ایمان باللہ اور سر سید احمد خان

ایمان باللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا اور کسی کو بھی اس کی ذات وصفات میں شریک نہ ماننا۔ یہ ایسا ایمان ہے جو فکرِ اسلامی کے تمام افکار میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس کے بغیر بندہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سر سید اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر تو ایمان رکھتے ہیں لیکن متعلقات الوہیت اور توحید کے بعض جزوی پہلوؤں پر جزوی اختلاف رکھتے ہیں جو ان کے ذاتی آرا و افکار پر مشتمل ہیں۔ سر سید احمد خان کے مطابق فطرت اور قوانین فطرت کو عقلی بنیادوں پر سمجھے بغیر ہستی باری تعالیٰ کا ادارک ممکن نہیں۔ سر سید ''تہذیب الاخلاق'' میں لکھتے ہیں:

> ''خدا نے ہم کو، ہماری جان کو، ہماری سمجھ کو، ہمارے قیاس کو، ہمارے دماغ کو، ہمارے روئیں روئیں کو نیچر سے جکڑ دیا ہے۔ ہمارے چاروں طرف نیچر ہی نیچر کو پھیلا دیا ہے۔ نیچر کو ہم دیکھتے ہیں، نیچر ہی کو ہم سمجھتے ہیں، نیچر ہی سے خدا کو پہنچانتے ہیں۔''[13]

مزید لکھتے ہیں:

> ''وہ (اللہ) خود اپنے کو نیچری کہتا ہے۔ پھر اگر ہم بھی نیچری لیں تو اس سے زیادہ فخر ہے۔ لا تبدیل لخلق اللہ کی تفسیر میں بیضاوی نے لکھا

---

[13] احمد خاں، سر سید، تہذیب الاخلاق، علی گڑھ، ۱۸۷۰ء، ص ۵

Ahmad Khan,Sir Syed ,Tahzeeb al Akhlāq, Ali Gharh ,1870 ,P:5

ہے: لا یقدرخدان لغیرہ یعنی کسی کا مقدور نہیں کہ اس کو بدل دے۔ نیچر خدا کا دین ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ مذہب اسلام ان بندشوں کے توڑنے کو آیا تھا جو فطرت یا نیچر پر لوگوں نے باندھی تھیں۔"[14]

چنانچہ سرسید کی خدا تعالیٰ کے بارے میں الفاظ کا اختیار کرنا اور ذات باری تعالیٰ کو نیچر سے متعلق اور متصل قرار دینا مناسب روّیہ نہیں ہے، جس کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت مثل یا مثالوں سے نہیں حاصل کی جاسکتی چہ جائیکہ مثال متعین مثلاً "نیچر" کے ساتھ تشبیہ دے کر جانا جائے۔ حالانکہ باری تعالیٰ کا قرآن کریم میں فرمان ہے:

"لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ"[15] "اس جیسا کوئی نہیں۔"

تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو "نیچری"، "فطری" یا اس قسم کے الفاظ سے جانا جائے جو الفاظ اس نے اپنی ذات کے بارے میں استعمال نہیں فرمائے۔ اس بارے میں اصول یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انہیں اسماء وصفات سے ذکر کیا جائے جو اس نے خود اپنے لیے منتخب فرمائے ہیں جو کہ توقیفی ہیں۔

ایمان بالرسالت اور سرسید احمد خان

ایمان بالرسالت کے باب میں سرسید کے نظریات وہی ہیں جو اسلامی فکر اور مسلم تہذیب کے عمومی نظریات ہیں۔ رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانا ایمان کی اساس ہے یعنی جب تک انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان نہ لایا جائے اس وقت تک دین اور ایمان کا انسان کے دل میں داخل نہیں ہوتا۔ نبوت ورسالت کے متعلق اگرچہ سرسید انہی عقائد وافکار کو اپناتے ہیں جو عہد رسالت تا عصر حاضر اہل ایمان کے رہے ہیں مگر ان افکار کی جزئیات میں سرسید نے ایسی آرا کو اپنایا ہے جو سلف وخلف سے متضاد ہیں۔ اسی حیثیت سے سرسید نے سلف وخلف پر اعتراضات اٹھائے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتب میں ان روایات وقصص کو جگہ دی جو حقیقتاً صحیح نہیں ہیں۔ ایمان بالرسالت کے باب میں سرسید کا

---

[14] احمد خاں، سرسید، تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان، (لاہور: رفاہ عام سٹیم پریس)، ج۱، ص۲۰

Aḥmad Khān , Sir Sayed, Tafsīr al Qur'ān wahuwa al Huda wa al Furqān, (Lahore:Rifāhe A'ām Sateem Press),V:1,P:20

[15] الشوریٰ ۴۲: ۱۱

Al-Qur'ān,42:11

انکارِ معجزات اور ان کی عقلی توجیہات پیش کرنا شامل ہے۔اس سے قبل کے معجزات کے متعلق سر سید کے نظریات کی سطحیت کا جائزہ لیا جائے ضروری ہے کہ خرق عادت امور کسے کہا جاتا ہے اسے سمجھا جائے۔

خرق عادات امور

کائنات کا نظام مختلف افعال کی مرہون منت ہے ان میں سے بعض ایسے افعال ہیں جن پر ایک عام بندہ بھی قادر ہے اور بعض افعال ایسے ہیں کہ عام آدمی کے لئے ان تک رسائی ممکنات سے نہیں۔اسی لحاظ اور اعتبار پر غور کیا جائے تو افعال کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہوں گی۔

(۱)ماتحت الاسباب (۲)مافوق الاسباب

ماتحت الاسباب

ماتحت الاسباب ایسے افعال ہیں جن پر نوع انسانی کے ہر فرد کو عمومی طور پر قدرت حاصل ہے۔ جیسے انسان کے مجموعی افعال۔

مافوق الاسباب

مافوق الاسباب ایسے افعال ہیں کہ جن پر نوع انسانی کے ہر فرد کو عمومی طور پر قدرت حاصل نہ ہو بلکہ ان پر قادر ہونا اللہ تعالیٰ کی منشاء پر موقوف ہے، انہیں افعالِ خارقہ بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے یدِ بیضاء، سورج کا پلٹنا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور ہوا میں اڑنا وغیرہ۔

اقسام افعال خارقہ

خرق عادت فعل یا تو مسلمان سے صادر ہوگا یا کافر سے۔اگر مسلمان سے صادر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ وہ نبی ہوگا یا غیر نبی۔اگر نبی ہو تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں کہ اس امر خارق کا صدور دعویٰ نبوت سے پہلے ہوا ہوگا یا بعد میں۔بصورت اول ''ارہاص'' کہلائے گا۔بصورت ثانی اسے ''معجزہ'' کہا جائے گا اور اگر امر خارق کا صدور غیر نبی سے ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس میں کمال عرفان ہے یا نہیں اگر کمال عرفان ہو تو وہ ''کرامت'' ہے وگرنہ ''معونت''۔ اگر امر خارق کا صدور کسی کافر یا فاسق سے ہو تو پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔وہ امر خارق یا تو اس کافر کے دعویٰ کے موافق ہوگا یا مخالف۔بصورت اول ''استدراج'' اور بصورت ثانی ''اہانت'' کہلائے گا۔یوں مافوق الاسباب افعال یعنی ''افعال خارقہ'' کی چھ اقسام بنتی ہیں۔

(۱) معجزہ (۲) ارہاص

(۳) کرامت (۴) معونت

(۵) استدراج (۶) اہانت

لف نشر غیر مرتب کے طریق پر پہلے اہانت اور اخیر میں معجزہ پر تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

اہانت

"اِہَانَتْ" کا لغوی معنٰی ہے "توہین کرنا، ذلیل کرنا" اس کے علاوہ "حقارت، ہتک، ذلت، سبکی اور بے عزتی" کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اہانت وہ واقعہ ہے جو کافر، فاسق سے اس کے دعویٰ کے برعکس رونما ہو، جیسا کہ جب مسیلمہ کذاب نے پانی میں کلی کی تو وہ کھارا ہو گیا، اسی طرح جب اس نے کانے آدمی کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا تو اس کی دوسری آنکھ کی بینائی بھی چلی گئی۔

استدراج

اِستِدراج کا لغوی معنٰی ہے "خلاف معمول کام کرنا، خارق عادت عمل"، یعنی کسی شخص سے خرق عادات افعال کا ظاہر ہونا استدراج کہلاتا ہے۔ افعال خارقہ کی ایک قسم استدراج ہے۔ یہ وہ فعل غیر عادیہ ہے جو کافر، فاسق سے اس کی غرض کے موافق ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے صدور کا مقصد صرف حصولِ دنیا ہوتا ہے، بندہ ان افعال پر ملکہ حاصل کرتے کرتے خدا سے بعدِ کامل کی حالت میں چلا جاتا ہے اور یہی چیز اسے جہنم کا مستحق بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فعلِ غیر معتاد کو استدراج کہا جاتا ہے جیسا کہ نبراس میں ہے:

"الاستدراج --- سمی به لأنه یوصله بالتدریج الی النار"[16]

"استدراج کو استدراج اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جس سے صادر ہو
اسے آگ کی طرف لے جاتا ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ"[17]

---

[16] پرھاروی، محمد عبدالعزیز، النبراس، (دیوبند، انڈیا: دارالکتاب، س ن)، ص: ۵۷۸
Parhārvī, Muḥammad Abdul Aziz, Al Nabrās,(Dewband,India:Dār al Kitāb, YN),P:578

[17] القلم ۶۸:۴۴
Al-Qur'ān, 68:44

''قریب ہے کہ ہم انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہو گی۔''

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے ''استدراج کا معنٰی یہ ہے کہ بندے کو دنیا میں اللہ کریم ہر وہ چیز عطا فرما دے جو اس بندے کی کج روی، گمراہی اور جہالت میں اضافہ کا سبب بن جائے۔'' قرآن کریم نے استدراج کو درج ذیل ناموں سے موسوم کیا ہے۔ مکر، کید، املاء، اہلاک۔

معونت

معوُنت کا لغوی معنٰی ہے ''مدد، مدد کرنا''۔ علامہ سید شریف جرجانی ''معجم التعریفات'' میں لکھتے ہیں:

''ما یظهر من قبل العوام تخلیصا لهم عن المحن والبلایا''[18]

''جو کسی عام شخص سے ظاہر ہو جس سے بلاء اور تکالیف دور ہوں۔''

کرامت

کرامت کا لغوی معنٰی ہے ''بزرگی، بڑائی، فضیلت''، ''بخشش، سخاوت''، ''خرق عادت''، ''خوبی، عمدگی، انوکھا پن۔'' کشاف فی اصطلاحات الفنون والعلوم میں ہے:

''الکرامة بالفتح و تخفیف الراء عند اهل الشرع ما یظهر علی ید الاولیاء من خرق العادة''[19]

''کرامت (کاف کے فتح اور راء کے سکون کے ساتھ) اہل شرع کے نزدیک وہ فعل غیر عادی جو ولی اللہ سے صادر ہو۔''

علامہ سید میر شریف جرجانی لکھتے ہیں:

''الکرامة: هی ظهور امر خارق للعادة من قبل شخص غیر مقارن لدعوی النبوة، فما لا یکون مقرونا بالایمان والعمل

---

18 جرجانی، علی بن محمد، معجم التعریفات، (القاہرۃ: دار الفضیلۃ للنشر والتوزیع والتصدیر، س ن)، ص ۱۸۴

Jurjānī, Alī bin Muḥammad, Mu'jam al Ta'reefāt,(Al Qāhira:Dār al Fazilat lilnashar wa al Tuaze'e wa Taṣdeer, YN), P:184

19 تھانوی، محمد بن علی، کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، (بیروت: مکتبۃ لبنان، ۱۹۹۶ء)، ص ۱۳۶۰

Thānvī, Muḥammad bin Alī, Kashāf Iṣṭlāḥāt al Funoon wa al U'loom,(Beirūt: Maktab Lebanon,1996),P:1360

الصالح يكون استدراجا وما يكون مقرونا بدعوى النبوة يكون معجزة۔"[20]

"وہ خرق عادت فعل جو ایسے شخص سے صادر ہو جو مدعی نبوت نہ ہو اسے کرامت کہتے ہیں۔ پس اگر وہ شخص صاحب ایمان اور صالح بھی نہ ہو تو اس کا یہ خلاف عادت فعل استدراج کہلائے گا۔ ہاں اگر وہ خرق عادت فعل ایسے شخص سے صادر ہو جو مدعی نبوت اور صاحب ایمان و صالح ہو تو وہ فعل معجزہ کہلائے گا۔"

ارہاص

امام ابن منظور افریقی نے ارہاص کے مفہوم کے بارے میں لکھا ہے کہ "اصله من الرهص، وهو تاسيس البنيان"[21] یعنی ارہاص یہ رہص سے مشتق ہے جس کا معنٰی ہے "بنیاد کی ابتداء کرنا" جیسا کہ علامہ سعد الدین بن عمر التفتازانی سے "ارہاص" کے بارے میں منقول ہے:

"تاسيس النبوة بالخوارق قبل البعثة"[22]

"نبی کی بعثت سے پہلے خرق عادت اُمور کے ذریعے اس کی نبوت کی بنیاد رکھنا ارہاص کہلاتا ہے۔"

معجم التعریفات میں ہے:

"احداث امر خارق للعادة دال على بعثة نبى قبل بعثته"[23]

---

20 جرجانی، معجم التعریفات، ص۱۵۴

Mu'jam al Ta'reefāt,P:154

21 ابن منظور، لسان العرب، ج۷، ص۴۴

Ibn e Manzor, Lisān al A'rab,V:7,P:44

22 عبدالرؤف بن المناوی، التوقیف علی مہمات التعریف، (القاھرۃ، مصر: عالم الکتب، ۱۹۹۰ء)، ص۴۶

AbdulRauf bin al Manāvī, Al Tuaqeef A'la Muhimāt al Ta'reef, (Al Qāhira, Miṣar:A'lim al Kutab,1990),P:46

23 جرجانی، معجم التعریفات، ص۱۷

Mu'jam Al Ta'reefāt,P:17

''نبی کی بعثت سے پہلے اس سے صادر ہونے والا خارقِ عادت فعل
ارہاص کہلاتا ہے۔''

علامہ سید شریف جرجانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یوں بھی قول کیا گیا ہے کہ "انها من قبيل الكرامات" یعنی معجزہ کرامات کی مثل ہی ہے کیونکہ انبیاء بعثت سے پہلے ولایت کے مرتبہ میں ہوتے ہیں۔[24]

معجزہ

معجزہ کا لغوی معنٰی ہے ''خلاف عادت بات''، ''وہ کام جو انسانی طاقت سے باہر ہو''، ''وہ خلاف قانون قدرت بات جو نبی سے ظاہر ہو۔''لسان العرب میں ہے کہ "عجز يعجز عن الامر اذا قصر عنه"[25]یعنی عجز کسی کام کو کرنے سے قاصر ہونے کو کہتے ہیں۔التعریفات الفقہیہ میں ہے:

"امر خارق للعادة داعية الى الخير والسعادة مقرونة بدعوى النبوة قصد به اظهار صدق من ادعى انه رسول من الله"[26]

''وہ خلاف عادت فعل جو بھلائی اور سعادت مندی کی طرف بلانے والا ہو اور دعوی نبوت کے ساتھ مختص ہو۔اس کے صادر کرنے کا مقصد اس بات کی تصدیق کرنا ہے کہ مدعی اللہ کا رسول ہے۔''

اس سے معجزہ کے عمومی مفہوم واضح ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں ہماری تحقیق کا محور یہی معجزات ہیں لہٰذا اس کے مفہوم کو مزید واضح کرنے کے لیے اہل علم کی آراء کو ذکر کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی لکھتے ہیں:

---

24 جرجانی، معجم التعریفات، ص۱۷

Mu'jam Al Ta'reefāt,P:17

25 ابن منظور، لسان العرب، ج۵، ص۳۷۰

Ibn e Manzor, Lisān al A'rab,V:5,P:370

26 مجددی، محمد عمیم الاحسان، التعریفات الفقہیہ، (بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۳ء)، ص۲۱۰

Mujadadī, Muḥammad A'meem al Iḥsān, Al Ta'reefāt al Fiqhia,(Beirūt, Lebanon: Dār al Kutab al I'lmia,2003),P:210

"فالمعجز ما خرق عادة البشر من خصال لا تستطاع إلّا بقدرة إلهية تدل على أن الله تعالى خصه بها تصديقا على اختصاصه برسالته، فيصير دليلا على صدقه في إدعاء نبوته إذا وصل ذلك منه في زمان التكليف" [27]

"معجزہ سے مراد وہ واقعہ ہوگا جو انسانی عادت کے خلاف ہو اور اس کا ظہور قدرت الٰہیہ کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہو معجزہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو اس معجزہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے تاکہ وہ معجزہ اس نبی کی صداقت کی گواہی دے لہٰذا وہ معجزہ نبوت کا دعویٰ کرنے میں اس نبی کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ واقعہ زمانۂ تکلیف میں رونما ہوا ہو۔"

المواھب اللدنیہ میں ہے:

"ان المعجزة هی الامر الخارق للعادة المقرون بالتحدی الدال علی صدق الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام" [28]

"معجزہ وہ فعل ہے جو خلاف عادت ہو، چیلنج کے ساتھ متصل ہو اور انبیائے کرام علیہم السلام کی صداقت پر دلالت کرتا ہو۔"

قاضی عیاض مالکی معجزہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"هو ان الخلق عجزوا عن الإتيان بمثلها" [29]

---

27 ماوردی، علی بن محمد، اعلام النبوۃ، (بیروت: دار ومکتبۃ الھلال، ۱۴۰۹ھ)، ص ۲۶

Māvardi, Ali bin Muḥammad, A'lam al Nabowat,(Beirūt, Dār wa Maktaba al Hilāl,1409),P:26

28 قسطلانی، احمد بن محمد، المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، (القاہرۃ، مصر، المکتبۃ التوفیقیۃ، س ن)، ج ۲، ص ۴۹۵

Qasṭlānī, Aḥmad bin Muḥammad , Al Mawāhib al Dunia bil Manḥe al Muḥammdia,(Al Qāhira, Miṣar , al Maktaba al Tuaqefia,YN),V:2,P:495

29 مالکی، عیاض بن موسیٰ، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، (الإمارات العربیۃ المتحدۃ : جائزۃ دبي الدولیۃ، س ن)، ص ۳۱۳

Mālikī, A'yāz bin Musa, Al Shifā bi Ta'reef Ḥaqooq al Muṣṭafa S.W ,(Al Amārāt al A'rbia al Mutḥida: Jāiza Dabi al Dualia,YN),P:313

''وہ خرق عادت فعل کہ مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہو۔''

قاضی عیاض مالکی نے معجزہ کی دو اقسام بھی بیان کی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''ضرب هو من نوع قدرة البشر فعجزوا عنه وضرب هو خارج عن قدرتهم فلم يقدروا عن الإتيان بمثله'' [30]

''معجزہ کی ایک قسم وہ ہے جو انسان کی قدرت میں تو داخل ہے مگر وہ اس کے کرنے سے عاجز ہیں اور دوسری قسم وہ ہے کہ جو ان کی قدرت میں داخل ہی نہیں لہٰذا وہ اس کی مثل لانے سے بھی عاجز ہیں۔''

معجزہ و دیگر خرق عادت امور میں فرق

معجزہ میں لازماً عنایت خداوندی شامل ہوتی ہے کیونکہ وہ خبر دینے والے نبی کے صدق کی تائید کے لئے ہوتی ہے اگر اس میں احتمال یا شک پیدا ہو جائے تو عقائد کی عمارت گر پڑتی ہے لیکن باقی اقسام میں احتمالِ عنایت الٰہی ہوتا ہے یقین و جزم وہاں نہیں ہوتا۔ تاہم یہی وہ امر کے جس کو سر سید نے جدید مفہوم میں تبدیل کر دیا اور وہ مفاہیم پیش کئے جن سے ان کے ''خرقِ عادت'' ہونے پر ہی احتمالات پیدا ہوئے اور ایسی عقلی تعبیرات پیش کیں جس کے سبب انہوں قدرت اور نیچر سے متعلق واقعات قرار دے دیا۔

معجزہ کی شرائط

معجزہ میں جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اس پر علماء کرام نے کلام کیا ہے اور ان شرائط کی نشاندہی کی ہے جس کے سبب کسی خرق عادت امر کو معجزہ کہا جائے گا اور اسے دیگر امورِ خارقہ مثلاً معونت، استدراج، ارہاص اور کرامت وغیرہ سے ممتاز کیا جا سکتے۔ مزید یہ کہ اس کی صدور کا مصدر بھی واضح رہے۔ اس حوالے سے ''حجۃ اللہ علی العالمین'' میں معجزہ کی پانچ شرائط بیان کی گئی ہیں:

1. معجزہ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خلاف عادت ہو جیسا کہ سرکار ﷺ کے لئے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، انگلیوں سے پانی کے چشمے کا جاری ہونا وغیرہ۔

---

30 مالکی، عیاض بن موسیٰ، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ)، ص ۳۱۳

Mālikī, A'yāz bin Musa, Al Shifā bi Ta'reef Ḥaqooq al Muṣṭafa S.W, P: 313

2. معجزہ کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ چیلنج کے ساتھ متصل ہو اور چیلنج سے مراد دعویٰ رسالت کرنا ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے "المنح" میں کہا ہے: "فالحق ان المراد بالتحدی لیس معناہ الأصلي بل المراد به دعوی الرسالة"[31] "معجزہ کی تعریف میں چیلنج اپنے اصل معنیٰ (مقابلہ کی دعوت دینا) میں نہیں بلکہ یہاں اس سے مراد رسالت کا دعویٰ کرنا ہے۔" آپ ﷺ سے جب کسی معجزے کا صدور ہوتا تو وہ کسی مقابلہ کی دعوت میں نہیں بلکہ اس بات پر دلیل کے لئے ہوتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

3. معجزہ کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ واقعہ دعویٰ رسالت سے پہلے کا نہ ہو لہٰذا شقِ صدر (سینہ کا چاک ہونا) سرکار ﷺ کا معجزہ شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ شقِ صدر دعویٰ رسالت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

4. معجزہ کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ واقعہ مدعی نبوت کے وصال کے بعد ظہور پذیر نہ ہو مثلاً یہ روایت کہ سرکار ﷺ کے وصال کے بعد کئی مردوں نے کلمہ طیبہ پڑھا۔

5. معجزہ کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ اس واقعہ کا مقابلہ کرنا ناممکن ہو جیسا کہ قرآن کریم جیسا کلام کرنا۔[32]

چنانچہ حجۃ اللہ علی العالمین میں ان قیود کا فائدہ یہ ہوا کہ معجزہ دیگر عادی اور غیر عادی امور سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ مثلاً

1. خلاف عادت کی قید سے امور عادیہ نکل گئے۔

2. چیلنج کی قید لگانے سے وہ امور خارج ہو گئے جو بغیر چیلنج کے ہوں جیسا کہ "کرامت"۔

3. "وہ فعل دعوی رسالت سے پہلے نہ ہو" کی قید سے ارہاص نکل گیا۔

---

[31] ابن حجر الہیثمی، احمد بن محمد، المنح المکیۃ فی شرح الھمزیۃ، (جدہ: دار المنہاج، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۳۵

Ibne Ḥajar al Haithmī, Aḥmad bin Muḥammad, Al Minaḥ al Makia fi Sharaḥ al Hamzia,(Jadda:Dār al Minhāj,2005),P:135

[32] نبہانی، یوسف بن اسماعیل، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، (بیروت، لبنان، دار الکتب، ۱۹۹۶ء)، ج ۱، ص ۲۳

Nabhānī, Yusuf bin Ismā'il, Ḥujat ullah ala al A'lameen fi Mu'jazāt Sayed al Mursaleen,(Beirūt, Lebanon, Dār alKutab,1996),V:1,P:23

4. ''مدعی نبوت کے وصال کے بعد ظہور پذیر نہ ہونا'' کی قید سے وہ امور خارج ہو گئے جو قربِ قیامت ظہور پذیر ہوں گے۔

5. ''اس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہو'' کی قید سے جادو، شعبدہ بازی جیسے خرق عادات امور خارج ہو گئے کیونکہ جادو وغیرہ میں چیلنج تو ہوتا ہے لیکن ان کا مقابلہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس خرق عادت فعل کو معجزہ شمار نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ جزم اور ثبوت کے طور پر مانا جائے گا۔ اب ان معجزہ کے بارے میں سر سید کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں ۔اس حوالے سے سر سید کی تصانیف میں مختلف مقامات سامنے آتے ہیں جن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''انسان کے دین اور دنیا اور تمدن و معاشرے، بلکہ زندگی کی حالت کو کرامت اور معجزہ پر یقین یا اعتقاد رکھنے سے زیادہ خراب کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔''[33]

مزید لکھتے ہیں:

> ''تمام برائیاں مذہبی اور تمدنی جو مسلمانوں میں پھیل رہی ہیں، ان کا سبب وہ کرامات و معجزات پر اعتقاد کا ہونا ہے۔'' [34]

اس سے معلوم ہوتا ہے سر سید اس فرق کو جو اہل اسلام نے معجزے اور کرامت کے مابین کیا ہے اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ لفظی مفاہیم کے پیشِ نظر معجزہ و کرامت کو ایک ہی شے مانتے ہیں اور خرقِ عادت امور میں اہل اسلام کی پیش کردہ تعبیرات اور اصول و شرائط کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ وہ مفہوم جو اہل اسلام کے ہاں معجزے کے متعلق رائج ہے جیسا کہ ما قبل بیان کیا گیا ہے اسے بھی مسلم تہذیب اور اسلامی فکر میں غیر مہذب مانتے ہیں۔ چنانچہ سر سید اپنے ایک مقالہ کے اختتام پر معجزہ اور کرامت کے متعلق عصری افکار پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[33] پانی پتی، مولانا محمد اسماعیل، مقالات سر سید، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۲ء ج ۱، ص ۱۲۳

Pani patti ,Moulana Muhammad Ismail , Maqālāt Sir Sayed, Majlas Taraqi Adab Lahore ,V:1,P:123

[34] ایضاً، ص ۱۲۶

Ibid,P:126

''پس جب تک کہ مسلمانوں میں سے معجزے و کرامت کا اعتقاد نہیں
جاتا، ان کا کامل طور پر مہذب ہونا محالات سے ہے۔'' (35)

اسی سر سید نے انہی نظریات کے پیش نظر اپنی تفسیر اور دیگر مقامات پر معجزاتِ انبیاء کا انکار کیا اور انہیں سطحی باتیں مانتے ہوئے اہل اسلام کے کبار اہل علم اور قرآن و سنت میں ذکر کردہ امور سے مختلف تعبیر پیش کی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بِن باپ پیدائش کے حوالے سے سر سید لکھتے ہیں:

''ان تمام سندوں سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے زمانہ کے سب
لوگ اور خود حواری بھی جانتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ حضرت
عیسیٰ اپنے باپ یوسف کے تخم سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ بغیر باپ، مگر وہ
حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا روحانی اعتبار سے کہتے تھے۔ اُسی خیال سے جس
سے کہ یونانی اپنے ہاں کے بزرگوں کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔۔۔ زمانہ کے
گزرنے پر وہ خیال جس سے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا
محو ہو گیا اور لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھنے لگے، اور اُسی کے ساتھ
یہ قرار دیا کہ وہ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے اور اُن کی ضد سے یہودیوں
نے یہ کہنا شروع کیا کہ نعوذ باللہ وہ ناجائز طور پر پیدا ہوئے تھے۔'' (36)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر سید خود اس بات کہ قائل نہیں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزانہ ہوئی بلکہ ان کا ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش فطری طور پر ہوئی اور اس میں ایسا نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی باپ کے پیدا ہو گئے بلکہ ان کے بقول بائبل کی عبارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایسا ذکر نہیں ہے کہ جس سے معلوم ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بِن باپ پیدا ہوئے ہوں۔ چنانچہ سر سید نے تفسیر میں اس پر طویل بحث کی ہے جس کے نتائج میں وہ اناجیل اربعہ کی عبارات کے تناظر میں انہیں ''یوسف'' کا حقیقی بیٹا اور ''خدا کا روحانی

---

35 پانی پتی، مولانا محمد اسماعیل، مقالات سر سید، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۲ء ج ۱، ص ۱۲۷
Pani patti ,Moulana Muhammad Ismail , Maqālāt Sir Sayed, Majlas Taraqi Adab Lahore ,V:1,P:127

36 احمد خاں، سر سید ، تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان، ج ۲، ص ۲۴
Aḥmad Khā ،Sir Sayed Tafsīr al Qur'ān wahowa Al Huda wa al Furqān, V:2,P:24

بیٹا'' کہتے ہے۔ مزید وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ''گہوارے میں کلام یعنی تکلم فی المہد''، ''خلقِ طیر''، ''مردوں کو زندہ کرنا''، ''اندھوں اور کوڑھیوں کا چنگا کرنا''، ''غیبی بات کا ظاہر کرنا'' وغیرہ کا بھی اس پیرائے میں ذکر کیا ہے کہ تاریخ میں یہ باتیں غلط انداز سے مندرج ہوئیں اور ان باتوں کو مسلم مفکرین و مفسرین نے بھی بغیر کسی تحقیق کے قبول کر لیا۔ چنانچہ آیات کریمہ میں جو مضمون ذکر کیا گیا ہے وہ اس سے مختلف ہے جو لوگوں نے منسوب کر دیا ہے۔ معجزات کے باب میں سر سید کے جو اسلامی فکر اور مسلم تہذیب کی سطحیت کو پیش کیا ہے اس کا ذکر اگرچہ ما قبل فصول میں اس کی پیش کردہ تعبیرات کی شکل میں موجود ہے تاہم یہاں مختصراً ذکر ہے۔ تکلم فی المہد کے بارے میں ان کا نظریہ یوں تھا کہ

1۔ مہد کے لفظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ المسیح علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام کر دیا اور ان کی عمر ایسی تھی کہ اس عمر میں کسی بچے سے کلام کا ہونا ناممکن ہو بلکہ آیت میں موجود لفظ ''مہد'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی عمر میں تھے جس میں عموماً بچہ بولنے لگ جاتا ہے۔ یہ ''مہد'' حضرت عیسیٰ المسیح علیہ السلام کی صرف صغر سنی پر دلالت کرتا ہے اور یہ وہ صغر سنی ہے جب آپ علیہ السلام بولنے لگ گئے تھے اور آیات میں صرف لفظ مہد ہے جس پر بحث ہو سکتی ہے مگر مہد سے صرف صغر سنی کا زمانہ مراد ہے، نہ وہ زمانہ جس میں کوئی بچہ بمقتضائے قانونِ قدرت کلام نہیں کر سکتا۔''[37]

2۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کہ آپ مٹی کی مورت بناتے تھے اور اس میں جب پھونکتے تھے تو وہ زندہ پرندہ کی مانند ہو جاتا تھا۔ اس کی تعبیر میں سر سید کی رائے یوں ہے کہ ان مٹی کی مورتوں کا جاندار ہو جانا غیر متحقق الوقوع باقی رہتا ہے یعنی قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا کہ در حقیقت وہ مٹی کی مورتیں جاندار اور پرند ہو بھی جاتی تھیں۔[38]

3۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کہ آپ علیہ السلام اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کا شفایاب اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، اس کے متعلق بھی سر سید نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ ایسی باتیں ہیں جن کو مفسرین نے بغیر کسی تحقیق کے ذکر کیا دیا۔ علمائے اسلام کی عادت ہے کہ قرآن مجید کے معنٰی یہودیوں اور عیسائیوں کی

---

37 احمد خاں، سر سید، تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان، ج ۲، ص ۱۵۰
Aḥmad Khān Sir Sayed، Tafsīr al Qur'ān wahowa Al Huda wa al Furqān, V:2 :p150

38 ایضاً، ص ۱۵۵
Ibid,P:155

روایتوں کے مطابق بیان کرتے ہیں۔اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے یہی معنٰی بیان کئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اندھوں کو آنکھوں والا اور کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے اور مردوں کو جِلا دیتے تھے اور صرف تازہ مردوں ہی کو نہیں جِلاتے تھے بلکہ ہزاروں برس کے پرانے مردوں کو بھی جِلا دیتے تھے۔[39]

الغرض سرسید نے عقیدہ رسالت پر تو ایمان رکھا ہے اور اس کی تبلیغ واشاعت میں خصوصاً نبی آخر الزماں ﷺ کی ذات اور ان کے لائے ہوئے دین کی خاطر خواہ تبلیغ کی ہے مگر ایمان بالرسالت کے جزو یعنی ''معجزات'' کے بارے میں معذرت خواہانہ روّیہ اختیار کیا ہے۔

ایمان بالملائکہ اور سرسید احمد خان

ملائکہ پر ایمان اسلامی فکر و تہذیب کا تیسرا بنیادی نظریہ ہے۔اسلام ملائکہ کہ وجود اور ان کے نوری مخلوق ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔یہ ایسی مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور کارہائے دنیا کے لیے پیدا فرمائی اور اسی حیثیت سے فرشتوں پر ایمان لانا بھی ہمارے ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے۔ سرسید احمد خان فرشتوں کے بارے میں اہل اسلام سے مختلف نظریہ رکھتے ہیں انہیں کوئی خارجی وجود نہیں تسلیم کرتے بلکہ ان کے بارے میں سرسید کا نظریہ ہے کہ وہ ایسی نیکی کی قوت ہے جو انسان کے وجود ہے اندر ہی موجود ہے جسے بعد میں ملائکہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جبریل امین علیہ السلام یعنی روح الامین کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید بلفظ آنحضرت ﷺ کے قلب پر نازل ہوا ہے یا وحی کیا گیا ہے۔ خواہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ جبریل فرشتہ نے آنحضرت تک پہنچایا ہے جیسا کہ مذہب عام علماء اسلام کا ہے، یا ملکہ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے، آنحضرت کے قلب پر القا کیا ہے جیسا میرا خاص مذہب ہے۔ ''[40]

سرسید فکرِ جدید کے تناظر میں اپنا ایک اصول مرتب کیا جس میں انہوں نے ''روح الامین'' اور ''روح القدس'' کا عام مفہوم جو کہ علماء اسلام کی نظر میں ''فرشتہ'' جو کہ '' حضرت جبرائیل علیہ السلام'' ہیں، سے

---

39 احمد خاں، سرسید، تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان، ج ۲، ص ۱۵۹

Aḥmad Khān Sir Sayed، Tafsīr al Qur'ān wahowa Al Huda wa al Furqān, V:2 :p159

40 سید احمد، تحریر فی اصول التفسیر، آگرہ، ۱۸۹۲ء، ص ۳۲

Saeed Ahmad ,Teḥrir fi Uṣool al Tafsīr,P:32

اعراض کرتے ہوئے ''روح الامین'' کو ''فرشتے'' کی بجائے ''ملکہ نبوت'' سے قرار دیا اور ''ملکہ نبوت'' سے سر سید کی مراد یہ ہے کہ ہر نبی میں ایک ایسا خاصہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف علوم کا جاننے والا ہوتا ہے مگر یہ علوم کی تقاضہ اور ضرورت کے تحت انبعاث ''ابھرنے کی کیفیت'' ہوتے ہیں، اور اسی ''انبعاث'' کے تحت وہ ''ملکہ نبوت'' وحی کے اطلاق اور اطلاع کی خبر دیتا ہے۔ سر سید اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنی ملکہ نبوت کو انبعاث ہوا اور اس کے سبب سے وحی نازل ہوئی۔۔۔ قرآن مجید کا نجماً نجماً نازل ہوتا اور وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے پر ملکہ نبوت کا انبعاث ہونا اور وحی کا نازل ہونا ایک طبعی امر ہے۔ انسان کے دماغ میں متعدد قسم کے علوم و فنون کا ملکہ موجود ہوتا ہے مگر بغیر محرک کے وہ ملکہ تحریک میں نہیں آتا۔'' (41)

یعنی فرحضرت جبرائیل علیہ السلام یا دیگر فرشتوں کا وجود کوئی خارجی وجود نہیں ہے بلکہ یہ دراصل انسانی کیفیات ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام میں ''ملکۂ نبوت'' اور عام انسانوں میں ''اچھائی کرنے کا ارادہ'' کی صورت میں ضرورت کے تحت سامنے آتی ہے۔

عبادات اور سر سید احمد خان

اس باب میں بھی سر سید نے کئی مقامات پر اسلامی فکر و تہذیب کے حوالے سے سطحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ سر سید نے ان کے بارے میں ایسا کلام کیا ہے جو اہل اسلام اور مسلم مفکرین کے ہاں نامناسب ہے۔ اگرچہ سر سید کا اندازِ بیان اور اسلوب اس طرح قاری کے ذہن پر اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ اس اسلوب کے تحت ان باتوں کو نظر انداز کر جاتا ہے جو اسلامی فکر و تہذیب کو نقصان پہنچاتی ہیں مگر بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف عبادات کے حوالے سے سر سید نے جو رائے پیش کی ہے وہ اہل اسلام کو دینی تعلیمات کے میں تشکیک میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اسی تناظر میں سر سید کی تحریروں میں دو عبارات پر اکتفا کیا جا رہا ہے جس میں انہوں نے ''طوافِ کعبہ'' کو وحشیانہ رسم اور ''تعینِ قبلہ'' میں کعبۃ اللہ کے انتخاب کو وقتی پیش رفت کہا ہے۔ چنانچہ طوافِ کعبہ کے بارے میں سر سید لکھتے ہیں:

---

41 سید احمد، تحریر فی اصول التفسیر، آگرہ، ۱۸۹۲ء، ص ۴۸۔۴۹

Saeed Ahmad ,Teḥrir fi Uṣool al Tafsīr,P:49-48

''اسی نماز کا نشان اسلام میں طریقۂ ابراہیمی پر موجود ہے، جس کا نام مذہب اسلام میں 'طواف کعبہ' قرار پایا ہے۔ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کعبہ کے گرد طواف کرنا مثل نماز کے ہے، گو طریقہ نماز وحشیانہ ہو۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ حال کی مؤدّب اور باوقار نمازوں سے زیادہ پُرجوش، اور زیادہ تر محبتِ معبود کا برانگیختہ کرنے والا، اور معبود کے شوق کو زیادہ تر جوش میں لانے والا، اور دل کو خالص اس کی یاد میں مشغول کرنے والا تھا۔'' (42)

یونہی تعینِ سمت قبلہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے۔ جو احکام اسلام میں ہیں لوگ ان کو بخوبی نہیں سمجھتے۔ اس بات میں تو بہت لوگوں نے کوشش کی ہے کہ کونسا حکم فرض ہے، اور کونسا واجب، اور کونسا سنت، اور کونسا مستحب، جو صرف ایک فرضی یا خیالی یا اصطلاحی امور ہیں، اور اس تفریق کو اصل مذہب اسلام سے کچھ چنداں تعلق نہیں ہے۔'' (43)

الغرض کے ایسے کئی مقامات ہیں جن میں سرسید نے فکر اسلامی کی سطحی پیش کش کی کہ مسلماتِ دینیہ کے بارے میں بھی اہل اسلام سے تضاد کیا اور من مانی تعبیرات اور عقلیت کو بنیاد بنایا ہے۔

اسلام وہ واحد دین ہے جو اپنی فکر اور تہذیب میں کامل اور مکمل دین ہے۔ ایسا دین جو انسانیت کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس کی پیش کردہ فکر و تہذیب عاہِ ہدایت پر گامزن رہنے کا ذریعہ ہے جس میں اسلام کے عقائد و نظریات، عبادات و معاملات اور اخلاقیات سب شامل ہیں۔ سرسید اگرچہ اسلامی فکر و تہذیب کی اہمیت اور بلندی کو جانتے ہیں مگر اسی فکر و تہذیب کے پرچار میں انہوں نے ایسے افکار کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے جو مسلماتِ دینیہ

---

42 سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان، ج۱، ص۱۵۲

Sir Sayed Aḥmad Khān, Tafsīr al Qur'ān wahowa Al Huda wa al Furqān, V:1,P:152

43۔ ایضاً، ص۱۵۷

Ibid,P:157

کے مفاہیم کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ خدا کو نیچری کہنا، انکارِ معجزات، وجودِ ملائکہ کا انکار، کعبۃ اللہ کے طواف کی وحشیانہ رسم سے تعبیر اور تعیین قبلہ میں تشکیک انہی مسلمات کی قبیل سے ہیں جو اہل اسلام کے ہاں متفقہ اور اجماعی افکار تھے لیکن سر سید نے مغرب سے مرعوب ہو کر ان کی جدید تعبیرات میں وحی کی بجائے عقلیت کا اعتبار کیا اور اسلامی فکر اور مسلم تہذیب کی سطحی پیش کش میں مبتلا ہوئے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License